مضمون نمبر۴

مرکز نظام الدین کے حالات کوسلجھانے اور اتحاد واتفاق کی ایک کوشش

مکتوب محمد زید مظاہری ندوی

بنام حضرت مولانا سید محمد سلمان صاحب مظاہری دامت برکاتہم

(ناظم اعلیٰ مظاہر علوم سہارنپور)

مرکز نظام الدین کے حالات کو سلجھانے اور اتحاد و اتفاق کی ایک کوشش

مکتوب محمد زید مظاہری ندوی

بنام حضرت مولانا سید محمد سلمان صاحب دامت برکاتہم (ناظم اعلیٰ مظاہر علوم سہارنپور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخدوم مکرم! حضرت اقدس ناظم صاحب (مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور) دامت برکاتکم وزید مجدکم، ومتعنا اللہ بفیوضکم واطال اللہ بقائکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ حضرت والا کو مع متعلقین کے ہمیشہ عافیت سے رکھے، اور آنجناب کے فیوض وبرکات سے امت کو مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

....

مرکز نظام الدین سے پُرانے اکابرِ تبلیغ کی علٰحدگی اور اس کے بعد اس کی وجہ سے پورے مُلک بلکہ پورے عالَم میں شدید اختلاف برپا ہو چکا ہے، جو تھمنے کا نام نہیں لیتا، آئے دن ناگوار واقعات سننے میں آتے رہتے ہیں، جن کو سن سن کر دل کڑھتا ہے، حضرت والا مجھ سے زیادہ واقف ہوں گے۔

گذشتہ سال رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں جناب والا کے دولت خانہ پر حاضری ہوئی تھی اور خلوت میں دیر تک اسی موضوع پر گفتگو ہوتی رہی، احقر نے حضرت والا سے درخواست کی تھی کہ ملک کے جتنے عمائدین، اساطین امت، ارباب حل وعقد، امت کو جن پر اعتماد ہے یہ اکابر مرکز نظام الدین پہنچ کر پیچیدہ مسائل کو سمجھ کر ان کو سلجھانے اور حل کرنے کی کوشش کریں انشاء اللہ مولانا سعد صاحب اور دیگر حضرات بھی اس کو قبول کریں گے، حضرت والا بالکل تیار تھے کہ جب جہاں چلنا ہو گفتگو کرنا ہو میں ہر وقت تیار ہوں، اس کے بعد احقر نے اسی نوع کی گفتگو حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی (مہتمم دارالعلوم دیوبند) سے بھی کی تھی وہ بھی پورے انشراح وانبساط کے ساتھ ہمہ وقت تیار تھے، اسی سلسلہ میں مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہ العالی اور مولانا ارشد مدنی مدظلہ العالی کا بھی ذکر آیا کہ ان کی شرکت بھی مناسب رہے گی اور طے یہ پایا تھا کہ یہ وفد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب دامت برکاتہم کی ماتحتی اور انہیں کی زیر قیادت مرکز نظام الدین پہنچ کر مسائل کو سلجھانے اور حل کرنے کی کوشش کرے گا، یہ وفد جو فیصلہ کرے گا انشاء اللہ اس کو سب تسلیم کرلیں گے، حضرت مفتی صاحب اور آپ کی منظوری لینے کے بعد احقر نے عید بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب کی خدمت میں حاضری کا نظام بنایا اور اس پوری تفصیل کو آٹھ صفحات میں مرتب کرلیا، اسی درمیان حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب دامت برکاتہم مدظلہ العالی (رکن شوریٰ مظاہر علوم سہارنپور) کی خدمت میں بھی ہردوئی حاضری ہوئی تھی اور ان کو اس پروگرام وتجویز کی اطلاع دی تو انہوں نے بھی اس کی سو فیصد تائید کی، اور اس خط کو سُن کر فرمایا کہ حضرت کو یہ خط پیش کر دینا اور عرض کر دینا کہ اس احقر کی بھی یہی رائے ہے، بہرحال حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں خط پیش کیا اور عاجزانہ گزارش کی کہ یہ سارے اکابر حضرت کے ساتھ چلنے کو تیار ہیں، غور وفکر کے بعد اکابر جو کچھ طے فرمائیں گے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ انشاء اللہ سارے لوگ اس کو تسلیم کرلیں گے اور خلفشار ختم ہو جائے گا، اس سلسلہ میں خلوت میں حضرت اقدس نے تقریباً آدھا یا پون گھنٹہ تفصیلی بات ارشاد فرمائی، حضرت اقدس ناظم صاحب دامت برکاتہم نے اپنی بصیرت اور دور اندیشی سے یہی فیصلہ فرمایا کہ یہ کوشش غیر مفید اور غیر مؤثر ہوگی، اس کا کوئی نتیجہ اور حاصل نہ نکلے گا، اس کے وجوہات اور اسباب بھی حضرت نے بیان فرمائے، اس لئے معاملہ ٹھنڈا ہو گیا۔

مرکز نظام الدین کے انتظامی امور یعنی اس کی امارت وتولیت اور نظامت کے سلسلہ میں احقر کچھ کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا سعد صاحب کو جو منصب عطا فرمایا ہے، اور جس مسند ومنصب پر وہ فائز ہیں ان کو کون وہاں سے ہٹا سکتا ہے، اور کون ان کے حق کو ان

سے غصب کرسکتا ہے۔

لیکن ہم نے کتبِ حدیث وسیرت میں اپنے حضرات ساداتِ کرام کا ایسے موقعوں میں ایثار وقربانی اور تواضع وتنازل، حلم وبردباری، عفو وکرم کا جو کردار اور عملی نمونہ کتابوں میں پڑھا ہے، جس پر رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف تعریف وتحسین بلکہ فخر فرمایا ہے، اورامت میں جو ایسا کرے اس کے لئے آپ نے وسطِ جنت کی بشارت دی ہے۔

من ترک المراء وهو محق بني له في وسط الجنة. (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ شریف، باب حفظ اللسان، مرقاۃ ص ۶۸، ج ۹)

یہ قابلِ تقلید نمونہ ہم کو حضراتِ ساداتِ کرام میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں بھی ملتا ہے جس کی پیشن گوئی خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی، چنانچہ بخاری شریف کی روایت میں ہے:

عن أبي بكرة قال رأيت رسول الله ﷺ على المنبر والحسن بن عليؓ إلى جنبه وهو يقبل على الناس مرةً وعليه أخرىٰ، ويقول: ’’إن ابني هذا سيد، ولعلّ الله أن يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين رواه البخاري.

(مشکوٰۃ شریف کتاب المناقب، باب مناقب اہل النبی ﷺ)

حدیث مذکور کی تشریح کرتے ہوئے حضرت ملاعلی قاریؒ نے تحریر فرمایا ہے:

إنما وصف الفئتين بالعظيمتين لأن المسلمين كانوا يومئذ فرقتين، فرقة معه وفرقة مع معاوية، وكان حسنؓ يومئذ أحق الناس بهذا الأمر فدعاه ورعه وشفقته على أمة جده إلى ترك الملك والدنيا رغبة فيما عندالله، ولم يكن ذلك لقلة ولا ذلة فقد بايعه على الموت أربعون ألفاً ......فكتب إلى معاوية يخبره أنه يصير الأمر إليه على أنه يشترط عليه: الخ. (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۲۹۹، ج ۱۱)

خیرالقرون اورعہدِ صحابہ کی تاریخ جن حضرات کے پیشِ نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد خلافت وامارت اس وقت کا اہم مسئلہ تھا، حضرت حسنؓ کی امارت وخلافت پر چالیس ہزارلوگ ان سے بیعت ہوچکے تھے، دوسری طرف حضرت معاویہؓ کی امارت وخلافت تھی، لیکن محققین کی تصریح کے مطابق وہ ناحق پر تھے، علماءِ محققین ومحدثین کے نزدیک اس وقت ان کی حیثیت باغیوں کی سی تھی، کیونکہ حضرت حسنؓ کی امارت وخلافت برحق تھی، اگرچہ بعد میں حضرت معاویہؓ کی امارت وخلافت حق پر ہوگئی، چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’جب حضرت علیؓ کے بعد امام حسنؓ خلیفہ ہوئے اورامام حسن نے صلح کی اورخلافت سے دستبردار ہوگئے اورپھر سارے لوگ حضرت معاویہؓ پرجمع ہوگئے، تو یقینی بات ہے کہ اس وقت امیر معاویہ امیر برحق ہوئے، لیکن اس سے پہلے امیر معاویہ باغی تھے، اوراس بغاوت میں ان کوغلطی واقع ہوئی تھی، مگر چونکہ غلطی کا منشا یہ تھا کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے عزیز ہیں اورحضرت عثمانؓ کا خون ناحق ہوا ہے، اورقاتلینِ عثمانؓ حضرت علیؓ کی جماعت میں شامل ہوگئے ہیں اس واسطے وہ دمِ عثمان کا انتقام لینا چاہتے تھے، یہ تھا ان کا شبہ، اس شبہ کی وجہ سے وہ معذور سمجھے جاتے ہیں ورنہ تھے ناحق پر اور باغی تھے۔ (کتاب التوحید، افاداتِ درسِ صحیح بخاری شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ ص ۱۱۵)

لیکن ان سب کے باوجود حضرت حسنؓ نے جب امت کے حالات کو دیکھا کہ اپنے استحقاق اوراپنی امارت وخلافت پر ڈٹے اور جمے رہنے میں امت کا اوردین کا زبردست نقصان ہوگا، جانوں کا ضیاع، خون خرابہ اوراس کے ساتھ امت کا شیرازہ منتشر ہوکر رہ جائے گا، ان سب دینی ودنیوی اورجانی ومالی نقصانوں سے امت کو بچانے کے خاطر آپ نے تنازل فرمالیا، اورآپ اپنے حقِّ امارت سے دستبردار ہوگئے، آپ نے یہ سمجھ لیا کہ یہ وہی موقع ہے جس کے خاطر ہمارے نانا جان سیدالانبیاء جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے فخر کے ساتھ میرے لئے یہ پیش گوئی فرمائی تھی، پھر آپ نے امت کے کلمہ کو متحد کرنے اورمنتشر شیرازہ کو جمع کرنے کے لئے اپنے حقِّ امارت سے دستبردار ہونے میں ذرا بھی تأمّل نہ فرمایا، اس

وقت آپ نے اپنے حواریّین اور محبّین کی بھی پرواہ نہیں کی کہ وہ کیا کہیں گے، آپ نے لوگوں کے طعنہ دینے اور ملامت کرنے کا بھی خیال نہیں کیا، بلکہ **لا یَخافُونَ لَوْمَۃَ لائِم** کا مصداق بنتے ہوئے امت میں اتحاد اور دین کے نفع کے خاطر آپ نے اپنے حقِّ امارت سے تنازل فرما کر حضرت معاویہؓ سے صلح فرمالی، لوگوں نے راستہ چلتے آپ پر سبّ وشتم کیا، اپنوں نے بھی طعنے دیئے، حاسدین اور دشمنوں کو بھی ہنسنے کا موقع ملا، لیکن آپ نے سب کچھ برداشت کیا، کسی بات کا جواب نہ دیا، فرمایا بھی تو صرف یہ کہ: " **ألعَارُ خَیرٌ مِّن النَّارِ** " کہ عار نار سے بہتر ہے، ہم نے امت کو نار سے بچانے کے لئے عار کو ترجیح دی ہے۔

ہمارے ساداتِ کرام میں سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اس قصہ کو بڑے اچھے انداز سے تحریر فرمایا ہے، وہ حسنی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، ان کو اس واقعہ سے اخذ نتائج اور امت کو پیغام دینے اور نصیحت کرنے کا حق تھا، بلاشبہ یہ پوری امت کے لئے عمدہ نمونہ ہے، حضرت مولاناؒ کے مضمون کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت حسنؓ نے...... ایک خط لکھا جس میں ان کے سامنے صلح کی تجویز رکھی، اور چند شرطیں رکھیں، اگر وہ اس کو قبول کرلیں تو وہ امارت سے حضرت معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہوجائیں گے، اور مسلمان خونریزی سے بچ جائیں گے، لوگوں کو اس خط کا علم ہوا اور حضرت معاویہؓ کے حق میں اتفاقِ رائے ہوگیا'' (البدایۃ والنہایۃ ص ۱۶، ج ۸، المرتضیٰ ص ۳۴۱)

''ایک شخص جس کو ابو عامر کہا جاتا تھا، اس نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو خطاب کرکے کہا ''**السلام علیک یا مُذلّ المومنین**'' (یعنی مسلمانوں کے ذلیل کرنے والے) کیونکہ آپ نے شامیوں سے جنگ جاری نہیں رکھی، حضرت حسنؓ نے فرمایا: ابوعامر! ایسا نہ کہو میں نے مسلمانوں کو ذلیل نہیں کیا، صرف اس کو ناپسند کیا ہے کہ میری حکومت کی خاطر ان کا خون بہے'' (البدایۃ والنہایۃ ص ۱۹، ج ۸، المرتضیٰ ص ۳۴۲)

''حضرت حسنؓ جب بھی ان محلوں کی طرف سے گزرتے جو ان کے ہمنوا اور ان کے گروہ کے تھے، وہ ان پر ملامت آمیز فقرے کستے کہ آپ کیوں حضرت معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہوگئے؟ وہ ایک عالی ظرف، کریم النفس اور ہردلعزیز ہستی کے مالک تھے، اور انہوں نے سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا تھا، اپنے دل میں کسی کے لئے کینہ نہیں رکھتے تھے، اور نہ ملامت کا جواب دیتے، اور نہ اپنے عمل پر نادم تھے، بلکہ وہ اس سے خوش تھے، اگرچہ یہ بات ہزاروں کو بری لگی تھی، جن میں خود ان کے خاندان کے بعض افراد بھی تھے، اور ان کے جانثار و محبّ بھی، یہ ملامت کا سلسلہ عرصہ کے بعد پھر شروع ہوا، اور آج تک بہت سے دلوں اور دماغوں میں یہ کھٹک ہے۔

لیکن حق یہ ہے کہ ان کا یہ طرز قابلِ قدر اور جن کو ان حالات کا سامنا کرنا پڑے ان کے لئے قابلِ تقلید نمونہ ہے، وہ تعریف کے مستحق تھے، اور ہیں کہ امت کے افراد کو خونریزی سے بچالیا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے پیش گوئی کی تھی، اور ان کی مدح میں فرمایا تھا''

(البدایۃ والنہایۃ ص ۱۶، ج ۸، المرتضیٰ ص ۳۴۳)

آپ کی محبت کا دم بھرنے والے کہا کرتے تھے: ''**یا عار المومنین**'' (اے اہلِ ایمان کے لئے باعث ننگ وعار) اس کے جواب میں فرماتے: ''**ألعَارُ خَیرٌ مِّنَ النَّارِ**'' (عار نار سے بہتر ہے) یعنی یہ طعن وملامت جہنم کی آگ سے بہتر ہے، جس کا مسلمانوں کی خونریزی سے خطرہ تھا۔

''ابوداؤد الطیالسی زہیر بن نُفیر الحضرمی سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

''حضرت حسنؓ نے فرمایا میں نے حکومت کو اللہ کی رضاجوئی کے لئے چھوڑ دیا''.....

اور ایک بار فرمایا: ''مجھے خوف تھا کہ قیامت کے روز میرے سامنے ستر ہزار یا اسّی ہزار یا اس سے زیادہ یا کم لائے جائیں اور ان سب کی رگوں سے خون بہہ رہا ہو اور جن کا خون بہا وہ اللہ تعالیٰ سے میرے خلاف شکوہ کریں'' (البدایۃ والنہایۃ ص ۴۲، ج ۸، المرتضیٰ ص ۳۴۴)

''حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے معاویہؓ سے صلح اور ان کے حق میں خلافت سے دستبرداری کا جو فیصلہ فرمایا وہ برمحل اور بروقت تھا''

(المرتضیٰ ص ۳۴۵)

مذکورہ واقعہ میں حضرت حسنؓ کی اس تواضع وتنازل اور اپنے حقِّ امارت سے دستبردار ہونے کا نتیجہ یہ نکلا کہ امت خون خرابہ اور سخت اختلاف اور دین کے بڑے نقصان سے بچ گئی، حضرت حسنؓ نے اپنے اس طرزِ عمل سے امت کو ہلاکت وتباہی سے بچالیا، جس کا نتیجہ خیر کی شکل میں یہ بھی سامنے آیا کہ حضرت معاویہؓ کو جب اپنے بعد خلافت وجانشینی کی فکر ہوئی تو آپ نے اپنے بعد کے لئے اگر کسی کو خلیفہ بنانا چاہا تو شرط کے مطابق سب سے پہلے حضرت حسنؓ کا ہی نام متعین کیا کہ میرے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ ہوں گے، لیکن اجل نے وفا نہ کی، اور وقتِ موعود آگیا تو حضرت معاویہؓ نے اس وقت اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنایا، چنانچہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

’’حضرت معاویہؓ نے اپنے بعد حضرت حسنؓ کو خلافت کے لئے نامزد کیا تھا، ان کے بعض عمال نے یزید کو خلیفہ بنانے کی تجویز پیش کی، اس میں ان کو تردد تھا، مگر جب حضرت حسنؓ کی وفات ہوگئی تو یزید کے معاملہ میں حضرت معاویہؓ کی توقعات اور ولی عہدی کے امکانات روشن ہوگئے‘‘ (المرتضیٰ ص ۳۴۹)

اپنے مرکز نظام الدین میں گذشتہ سالوں میں جو اختلافات رونما ہوئے اس کی وجوہات واسباب سب کو معلوم ہیں، اس اختلاف کا اثر سارے عالم پر پڑا، کتنے ملکوں اور صوبوں میں اختلاف اور ٹکراؤ کی نوبت آئی اور کتنے مراکز ومدارس ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے، اور کتنے علاقوں میں اور خود مرکز نظام الدین میں مار پیٹ خون خرابہ تک ہوا، بعض علاقوں میں جان لیوا حملے ہوئے، علماء مشائخ کی کتنی بے حرمتیاں ہوئیں، بعض مرکزی مدارس میں انہی سب وجوہات کی بناء پر اس کام پر ہی پابندی لگادی گئی جو اب تک قائم ہے، سبّ وشتم، غیبت وچغلی، الزام اور بہتان کا ہر چہار طرف بازار گرم ہے، دعوت وتبلیغ کی مبارک محنت میں جو بیانات ہوتے ہیں ان میں بھی خلوص اور للٰہیت کے بجائے پورا زور اپنی اپنی جماعت کی حقانیت پر صرف کیا جانے لگا، اور اسی میں شمولیت کی دعوت دی جانے لگی، کام اس نوعیت کو پہنچ گیا کہ اس کی وجہ سے ملک ملک، قصبہ قصبہ شہر شہر سخت اختلافات ہونے لگے جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، اور یوں کہنا چاہئے کہ کام کی روح نکل گئی، صورت تو ہے لیکن حقیقت نہیں، اپنوں سے وہ نقصان پہنچا اور پہنچ رہا ہے، جو اس کام کے مخالفین سے بھی نہیں پہنچا تھا، اس پوری صورتِ حال کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اگر حضرتِ حسنؓ کے اسوۂ اور ان کے عملی پیغام کو اختیار کرنے اور اپنانے میں اتحاد امت کی اگر کوئی صورت بن سکتی ہو تو اب بھی ممکن ہے۔

ہمارے ساداتِ کرام زیادہ اس کے مستحق ہیں کہ وہ اپنے اجداد کی اس سنت کو زندہ کر کے قابلِ فخر کارنامہ انجام دیں، اور اس سلسلہ میں کسی خوف وملامت اور بدنامی کی پرواہ کئے بغیر امت کو سخت اختلاف اور تباہی سے بچالیں، اپنے اکابر ومشائخ نے بھی ایسے مواقع میں حضرت حسنؓ کے ہی اسوۂ کو اختیار کیا اور اپنایا ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ملفوظات ومضامین میں احقر نے پڑھا ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

’’آج کل مدرسہ دیوبند میں ایک شور برپا ہے....... میں نے مہتمم صاحب کو لکھ دیا ہے کہ تم اُسی وقت سے ہر نتیجہ کے لئے آمادہ ہوجاؤ، یہ تجویز ذہن میں نہ کرو کہ مدرسہ رہے یا تمہارے ہاتھ میں رہے، بلکہ اگر مدرسہ ٹوٹ جائے تو تم ابھی سے اس پر راضی ہوجاؤ‘‘ (بدائع ص ۱۸۶ بدیعہ ۶۹)

نیز ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:

’’مولانا گنگوہیؒ کی تحریر ہے جس کو مولانا خلیل احمد صاحب اور مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہما کے نام تحریر فرمایا تھا جب کہ وہ مخالفین کی وجہ سے کچھ پریشان تھے، اس میں ایک جملہ یہ بھی تھا کہ میرے عزیزو! تم کیوں پریشان ہوتے ہو، مدرسہ مقصود نہیں، حق تعالیٰ کی رضامندی مقصود ہے، اور اس کے بہت سے طرق ہیں، منجملہ ان کے ایک مدرسہ بھی ہے، اگر مدرسہ رہے، کام کئے جاؤ، اور اگر نہ رہے کسی اور جگہ بیٹھ کر کام کرلینا‘‘

(ملحوظات جدید ملفوظات ص ۸۴)

نیز اپنے متعلق حکیم الامت حضرت تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

’’ایک زمانہ میں یہاں بھی تجویز ہوئی تھی کہ ان سے (یعنی حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے) خانقاہ اور مدرسہ خالی کرانا چاہئے اور میں ہر وقت اس پر تیار تھا کہ اگر ایک بچہ نے بھی آکر مجھ سے کہا میں فوراً بلا مزاحمت خانقاہ خالی کردوں گا، احباب کو یہ سوچ تھی کہ پھر یہ مجمع کہاں رہے گا،

خدا کی قدرت اُسی زمانہ میں یہ عجیب قصہ پیش آیا کہ فلاں جگہ ایک شخص کا انتقال ہوا تو اُس شخص نے چار ہزار کی رقم کے متعلق وصیت کی کہ یہ رقم تھانہ بھون کی فلاں خانقاہ و مدرسہ کو بھیج دی جائے، چنانچہ اُس رقم کی یہاں اطلاع آئی اور وہ رقم اتنی تھی کہ اگر خانقاہ ازسرِ نو تعمیر کراتا تب بھی اس سے ممکن تھا، چنانچہ میں نے ایک جگہ بھی تجویز کر لی تھی، مگر بفضلہٖ تعالیٰ سب کی گردنیں نیچی رہیں‘‘ (القول الجلیل، ملفوظات حضرت تھانویؒ ص ۶۶)

ہمارے ساداتِ کرام میں احقر کے شیخ و مربی حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ بھی ہیں، بعض پیچیدہ حالات میں موقع پڑنے پر حضرت اقدس باندویؒ نے بھی امت کو اختلاف سے بچانے کے لئے اسوۂ حسنی کو اختیار فرمایا تھا۔

حضرت والا کو معلوم ہوگا کہ ایک موقع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے امیرِ شریعت کے لئے حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب ہی کا نام تجویز فرمایا تھا، جبکہ وہ اس منصب کو قبول کرنے پر تیار نہ تھے، لیکن حضرت مولاناؒ نے باصرار ان کو اس پر آمادہ کیا، چنانچہ اس وقت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے حضرت مولانا صدیق احمد صاحبؒ کے نام جو خط تحریر فرمایا تھا اس سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، جس کا ابتدائی حصّہ درج ذیل ہے:

مخدومی ومحترمی حفظکم اللہ تعالیٰ ونفع بکم الاسلام والمسلمین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ سفر بعافیت ہوا ہوگا اور واپسی خیریت وصحت کے ساتھ۔

ہم لوگوں نے الحمدللہ، اللہ کی رضا مسلمانوں میں نظم واتحاد قائم رکھنے، شریعت کا وقار وتحفظ برقرار رکھنے کی نیت سے اور اپنے ذاتی وجماعتی مفادات سے بالکل یکسو ہو کر اپنے صوبہ کے لئے امیر شریعت کے طور پر (جس کا انتخاب کر لینا اب ضروری ہو گیا تھا) آپ کو تکلیف دی، ہم فی ما بیننا وبین اللہ پہلے بھی سمجھتے تھے اور اب بھی سمجھتے ہیں کہ یہ انتخاب انشاء اللہ بالکل صحیح مبارک اور حق بجانب ہے، اور اس کے ساتھ اللہ کی مدد ہوگی، ہم کو یقین تھا کہ آپ کا نام آجانے کے بعد پھر کسی اور نام کی گنجائش نہ رہے گی کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف حلقوں اور صحیح المسلک مسلمانوں میں آپ کو جو مقبولیت عطا فرمائی ہے وہ کسی کو حاصل نہیں ہے......الخ۔

والسلام آپ کا ابوالحسن علی، یکم فروری ۱۹۸۷ء

چنانچہ حضرت مولانا کی اس تجویز اور مولانا صدیق صاحبؒ کی رضامندی کے بعد آپ کی امارت کا اخبارات میں اعلان کر دیا گیا، لیکن یہ تجویزِ امارت امت میں سخت انتشار واختلاف کا ذریعہ بننے لگی، اور بعض حلقوں کی طرف سے اس کی وجہ سے حضرت کے خلاف سخت پروپگینڈہ کیا جانے لگا، اس وقت حضرت اقدس مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ نے اسوۂ حسنی کے مطابق فوراً اپنے کو اس منصب سے علحدہ فرما لیا، اور حضرت اقدس مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی خدمت میں جو خط تحریر فرمایا، اُس کے چند جملے یہ ہیں:

مخدومی حضرت والا دامت برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

......احقر انشاء اللہ ایسا کوئی اقدام نہ کرے گا جس سے حضرت کی ذات پر اثر پڑے۔

لیکن حضرت والا احقر کے مزاج سے واقف ہیں کہ اختلاف وانتشار سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہے......اب بھی گزارش ہے کہ کوئی حل ایسا نکالیں کہ جس سے حضرت کے اوپر بھی کوئی حرف نہ آئے اور اس ناکارہ پر بھی یہ ذمہ داری نہ ہو، اس کے علاوہ ہر ممکن تعاون جو احقر کر سکے گا، اس سے انشاء اللہ دریغ نہ کرے گا۔

احقر صدیق احمد (مکاتیب صدیق: اہم شخصیات کے نام ص ۴۷، ۴۸)

یہ ہے ہمارے حضراتِ اکابر کا طرزِ عمل اور ذوق ومزاج کہ امت کی دینی مصلحت اور حفاظت کے خاطر اور امت کو اختلاف وانتشار سے

بچانے کے لئے حدودِ جواز میں رہتے ہوئے سب طرح کی تواضع وتنازل اختیار فرمالیا کرتے تھے۔

موجودہ اختلافات میں حضرت حسنؓ کے اسوۂ کو اپنانے اور اکابر کے نقشِ قدم پر چلنے اور امت کے اتحاد اور دینی نفع کے خاطر تنازل اختیار کرنے میں گو بظاہر اپنا اور خاندانی افراد کا ضرر اور عار محسوس کی جائے، لیکن شاید یہی موقع ابتلاء وامتحان اور ایثار وقربانی کا ہے۔

احقر اس سے زائد کچھ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا، اپنے بڑوں کی خدمت میں بس اپنی اس خواہش اور تمنا کا اظہار ہی کر سکتا ہے کہ پوری امت میں اتحاد اور دینی نفع کے خاطر اپنی ذات اور اپنی اولاد کے مفاد کو نظر انداز کر کے اگر خود ہی تواضع وتنازل اختیار کر لیا جائے کہ لیجئے سب کچھ آپ سب کے حوالے، آپ متبوع اور ہم ہی آپ کے چھوٹے اور آپ کے تابع، تو قوی امید ہے کہ پورے ملک میں نہیں بلکہ عرب وعجم میں انشاء اللہ خوشی اور شکریہ کی لہر دوڑ جائے گی، اور یقین سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ انشاء اللہ اس میں ذلت نہیں بلکہ بڑی عزت ہوگی کہ ہم نے تنازل وتواضع ذلت وقلت اور عجز کی بنا پر نہیں بلکہ دینی مصلحت اور امت کے نفع کے خاطر اللہ کی توفیق سے اس کی رضا کے لئے اختیار کیا ہے، اس میں انشاء اللہ عزت پہلے سے زیادہ ہوگی" من تواضع لله رفعه الله" دوسرے پرانے اکابرِ تبلیغ بھی انشاء اللہ ان کے اس تواضع کی قدر کریں گے، ان کو چھوڑیں گے نہیں بلکہ اب بھی انشاء اللہ نسبت اور ان کی تواضع کا لحاظ کرتے ہوئے ان کی قدر ومنزلت اور ان سے محبت کریں گے۔

حضرت کے پورے خاندان سے احقر کو قلبی تعلق ہے، میں خاندان کے نوجوان اصحابِ علم وفضل مولوی محمد یوسف صاحب ومولوی سعید صاحب وغیرہ سے بلکہ گھر کی معزز خواتین کو اپنا واسطہ اور سفارشی بناتا ہوں کہ اس سلسلہ کی میری تحریرات کو پڑھ لیں اور عالی نسبت کا لحاظ کرتے ہوئے امت کی مصلحت کی خاطر اس حقیر کی مذکورہ آرزو وتمنّا کو جو خالص امت اور دین کے نفع کے لئے ہے، اُس کے پورا ہونے میں میری مدد فرمائیں، اور مجھ سے جو قصور وغلطیاں ہوئی ہوں خدارا مجھے معاف فرمادیں، جزاكم الله وعافاكم الله، وفقنا الله ايّانا وايّاهم لما يحبّ ويرضیٰ.

حضرت! اس ناچیز کی یہ طفلانہ تمنائیں وآرزوئیں ہیں، میری بے ادبی وگستاخی کو معاف فرمائیں، جو کچھ بھی عرض کیا اپنا سمجھ کر اور خیر کی توقع کے ساتھ، اپنی اس میں کوئی ذاتی غرض شامل نہیں، نہ کسی کے اشارے اور حمایت کی وجہ سے عرض کیا۔

لوگوں نے اس ناچیز کو بہت بدنام کیا کہ اس نے مولانا سعد صاحب کے خلاف بہت مضامین لکھے ہیں، حضرت جانتے ہیں کہ مولانا کے خلاف فتویٰ نہ آنے کے سلسلہ میں احقر نے کتنی کوششیں کی تھیں...... رہ گیا علمی باتوں کے تعلق سے احقر کے اصلاحی مضامین تو یہ اہلِ علم کا منصبی فریضہ ہے، حضرت گنگوہیؒ نے بعض باتوں میں اپنے شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی کھل کر مخالفت کی، اور حضرت تھانویؒ نے بھی بعض باتوں میں حضرت گنگوہیؒ کے خلاف تحریر فرمایا..... تو اس کو شخصیت کی مخالفت نہیں کہا جاسکتا، مولانا کی جو باتیں علمی تحقیق کے اعتبار سے راہِ اعتدال سے ہٹی ہوئی تھیں، جن کے متعلق اہلِ علم کا احساس یہ تھا کہ امت کی غلط رہنمائی ہورہی ہے، اس کے متعلق توجہ دلانا اہلِ علم کا منصبی فریضہ تھا، احقر نے بھی اسی نوع کی باتوں کی طرف سنجیدہ انداز میں ادب کے ساتھ مختلف مضامین میں توجہ دلائی ہے، محض ان مضامین کی وجہ سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ میں مولانا کا مخالف ہوں، مولانا تو اپنے ہیں، اور ان کو اہلِ ندوہ سے محبت ہے، تو مجھ سے بھی انشاء اللہ محبت ہوگی، وہ میرے محِب بھی ہیں اور محبوب بھی، اسی محبت اور اپنائیت کی بنا پر احقر نے اس آرزو اور تمنا کو بلا تکلف ظاہر کر دیا، حضرت والا تو اس وقت خاندان کے اور مرکز نظام الدین کے گویا سرپرست اور بڑے ہیں، شاید حضرت والا کی ادنیٰ توجہ سے بگڑے کام بن جائیں، الجھے سلجھ جائیں، اور موجودہ اختلاف ونفرت اتحاد ومحبت میں تبدیل ہوجائے، اور امت کا مختلف شیرازہ مجتمع ہوجائے، اور اپنے جن مرکزی اداروں میں اس اختلاف کی وجہ سے اس مبارک کام پر پابندی لگ گئی ہے، حضرت کی برکت سے وہ ختم ہوجائے اور پھر حسبِ سابق کام جاری ہوجائے، اور پوری امت میں خوشی کی لہر دوڑ جائے، حضرت کی تھوڑی توجہ اور مجاہدہ وایثار سے انشاء اللہ یہ سارے فوائد حاصل ہوسکتے ہیں، معلوم ہوا ہے کہ ہریانہ کے قریب جمنا پار دوسرے حلقہ والوں کی طرف سے بڑا اجتماع ہونے جارہا ہے، اور مرکز نظام الدین کی طرح دوسرے مرکز بننے کی بھی کوشش جاری ہے، اور بہت ممکن ہے کہ دوسرے مرکز کا اعلان اس اجتماع میں کردیا جائے، اللہ کرے اس کی نوبت نہ آنے پائے اور اس وقت کے آنے سے پہلے پہلے مصالحت اور اتحاد واتفاق کی صورتیں پیدا ہوجائیں،

بلاشبہ پوری امت کے حق میں حضرت والا کا یہ بڑا احسان ہوگا اور انشاء اللہ حضرت والا کی زندگی کا یہ سب سے بڑا کارنامہ ہوگا، میری بے ادبی وگستاخی کو معاف فرمائیں، حضرت والا اگر بہتر سمجھیں تو اس عاجز کی ان تحریرات کو مولانا نورالحسن راشد صاحب کاندھلوی اور مولانا محمد سعد صاحب وغیرہ جن کو دکھلانا چاہیں، دکھلا دیں، اللہ تعالیٰ اس کو خیر کا ذریعہ بنادے، آمین یا رب العالمین، اللھم وفقنا لما تحبّ وترضیٰ من القول والعمل والفعل والهَدْيِ والنيّة، وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وعلى آله واصحابه اجمعين.

والسلام محمد زید مظاہری ندوی

استاذ حدیث وفقہ

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲/ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ